© rasailojaraid.com

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

نظامِ زکوٰۃ وعشر اور ٹیکس

جائزہ اور تجاویز

© rasailojaraid.com

پاکستان کے صدر جناب جنرل محمد ضیاء الحق لائق صد تحسین ہیں جنہوں نے ۱۲ر ربیع الاول ۱۳۹۹ھ کو اسلامی تعزیرات اور نظامِ زکوٰۃ اور عشر اور چند دیگر مفید اقدامات کے نفاذ کا اعلان کر کے قوم کی ایک دیرینہ آرزو کو پورا کیا۔ اور جس بات کیلئے اہلیانِ پاکستان تیس سال سے بیقرار تھے، اس مردِ مومن نے اس کے لئے عملی اقدامات کا اعلان کر کے پوری قوم کی دعائیں حاصل کیں۔

۱۲ر ربیع الاول سے لے کر، دوسرے موضوعات کی طرح زکوٰۃ وعشر اور ٹیکس بھی موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں حکومت نے اس کے متعلق تجاویز بھی طلب کی ہیں۔ لہٰذا اس کے متعلق ہم قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنے خیالات قلمبند کرتے ہیں۔

اسلامی نظامِ معیشت کی بنیاد:

نظامِ زکوٰۃ اسلامی نظامِ معیشت کا ایک حصہ ہے۔ اور اس نظامِ معیشت کی بنیاد اقتصاد پر ہے۔ اقتصاد کے لغوی معنی ہیں، کسی کام میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا۔ اور معاشی لحاظ سے اقتصاد کا معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ صرف اس حد تک خرچ کیا جائے جس سے ضرورت پوری ہو سکے۔ اس کی آسان سی مثال یوں سمجھئے کہ اگر ایک آدمی کو نہانے کے لئے ایک بالٹی پانی کافی ہو سکتا ہے تو دو یا تین بالٹی پانی کا استعمال اسراف، شرعاً ایک مذموم فعل اور قرآن کی اصطلاح میں "منکر" ہے۔ اس بات کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں سمجھایا:

• عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِسَعْدٍ فَقَالَ مَا هٰذَا السَّرَفُ يَا سَعْدُ، قَالَ اَفِي الْوُضُوْءِ سَرَفٌ؛ قَالَ نَعَمْ، وَاِنْ كُنْتَ عَلٰى نَهْرٍ جَارٍ (احمد، ابن ماجہ)

© rasailojaraid.com

"عبداللہ بن عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت سعدؓ کے پاس سے گزرے، جو وضو کر رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا "اے سعدؓ اتنا زیادہ پانی استعمال کر رہے ہو؟" حضرت سعدؓ نے عرض کیا "کیا وضو کے معاملہ میں بھی اسراف ہے؟" آپؐ نے فرمایا "یقیناً، خواہ تم ایک جاری نہر کے کنارے پر بیٹھے ہو!"

اسی بنا پر ہمیں اسلام نے سادہ طرزِ زندگی اختیار کرنے کی تلقین کی ہے اور تعیش اور تکلف کی زندگی کو ناپسند فرمایا ہے۔ اور اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ نے، فرمانروائے ریاست ہونے کے باوجود، سادہ طرزِ زندگی کی ایسی مثالیں قائم کی ہیں جن کی نظیر پیش کرنے سے پوری انسانی تاریخ قاصر ہے۔

لیکن بدقسمتی سے ہم نے مغربی طرزِ معاشرت کو اپنے اوپر مسلط کر لیا ہے۔ اپنے لباس، وضع قطع، طرزِ رہائش اور تفریحات، غرض معاشرے کے ہر شعبہ میں مغرب کی اندھی تقلید کر کے پُر تکلف اور پُر تعیش زندگی میں گرفتار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ آج ہمارے ہاں جدید ترین آسائشوں والا مکان یا کوٹھی، فرج اور ٹیلیویژن، ڈرائنگ روم میں قیمتی فرنیچر تہذیب کی شرط لازم قرار پا چکے ہیں۔ اور ان چیزوں کے حصول کیلئے جب جائز اور محدود آمدنی ناکافی ثابت ہوتی ہے تو انسان ناجائز ذرائع مثلاً رشوت، چوری، چور بازاری، سمگلنگ وغیرہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اس صورتِ حال کو بدلنے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے حکام، وزراء، سیاسی راہنما اور سماجی کارکن سادہ طرزِ معاشرت اختیار کرنے کی ملک گیر مہم چلائیں اور اس کی ابتدا اپنے آپ سے کریں۔ جب تک ہمارے حکام، امراء، دینی و سیاسی راہنما اپنی عام زندگی میں سادگی کو نہیں اپنائیں گے، عوام پُر تکلف زندگی کے اس بارِ گراں سے نجات نہیں پا سکتے اور نہ ہی حصولِ زر کے ناجائز ذرائع ختم ہو سکتے ہیں۔

اسی "ھل من مزید" کی مرض کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ لوگ جائز حقوق کی ادائیگی میں ہیرا پھیری کرنے کے عادی ہو چکے ہیں[1]۔ چنانچہ ٹیکسوں میں چوری ایک وبا کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ پس نظامِ زکوٰۃ کو مؤثر اور بارآور بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس پہلو پر پوری توجہ دی جائے۔

---

[1] جب سے نظامِ زکوٰۃ وعشر کا سرکاری سطح پر چرچا ہوا ہے، بہت سے لوگوں نے اپنی رقوم بنکوں سے نکلوانا شروع کر دی ہیں۔ انہیں یہ خطرہ ہے کہ اب سود تو ملیگا نہیں، الٹا زکوٰۃ بھی پڑ جائیگی۔ اب ان رقوم سے انہوں نے دھڑا دھڑ زمینیں، پلاٹ اور مکان خریدنا شروع کر دیئے ہیں کہ وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ اور اس کی تہہ میں وہی زر پرستی کی ہوس اور زکوٰۃ سے فرار کا جذبہ کار فرما ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ایسا وقت بھی آیا، جب زکوٰۃ دینے والے کسی مستحق زکوٰۃ کی تلاش کرتے تھے تو انہیں زکوٰۃ لینے والا نہ ملتا تھا۔ اس کی وجہ محض یہ نہ تھی کہ مسلمانوں کے پاس کثیر دولت آگئی تھی اور زکوٰۃ کا نظام نافذ تھا بلکہ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ابھی مسلمان پرتکلف زندگی سے ناآشنا تھے۔

اسلامی نظامِ معیشت کی دوسری بنیاد باہمی اخوت، ایثار اور ہمدردی ہے۔ لیکن آج ہم نے ان اقدار کو بھی پامال کر رکھا ہے۔ ایک طویل دور کے سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت نے ہمارے اندر خود غرضی، سنگدلی، بخل اور مفاد پرستی جیسی انسانیت سوز صفات پیدا کر دی ہیں، کچھ ہمیں مغرب کی مادہ پرستانہ ذہنیت سے ورثہ میں ملی ہیں۔ دوسروں کا حق دبانے اور ظلم و استحصال کے رجحان نے ہمارے ذہنوں کو مفلوج کر رکھا ہے۔ دوسرے کی تکلیف اور تنگدستی پر کبھی ہمارا دل بھر نہیں آیا جبکہ اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور میں ایثار و مروت، سخاوت و استغناء اور انفاق فی سبیل اللہ کے نفید المثال واقعات ہمیں بکثرت ملتے ہیں۔ قلب و روح اور ذہن و دماغ کے اس انقلاب کیلئے ایک مضبوط روحانی عقیدے کی ضرورت ہے جو خوفِ خدا اور فکرِ آخرت سے پیدا ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نظامِ صلوٰۃ کو نظامِ زکوٰۃ سے مقدم رکھا ہے۔ بالفاظِ دیگر نظامِ زکوٰۃ کی کامیابی کا دار و مدار نظامِ صلوٰۃ پر موقوف ہے۔ لہٰذا جس قدر ہمارا نظامِ صلوٰۃ مضبوط و مستحکم ہوگا، اسی نسبت سے نظامِ زکوٰۃ صحیح معنوں میں بارآور ثابت ہوگا۔ سرکاری طور پر دفاتر میں اقامتِ صلوٰۃ کا اعلان تو ہو چکا ہے تاہم نظامِ زکوٰۃ کو مؤثر بنانے کے لئے اقامتِ صلوٰۃ پر خاصی توجہ کی ضرورت ہے۔

عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ زکوٰۃ ایک دینی فریضہ اور مالی عبادت ہے۔ لہٰذا مسلمان اس کی ادائیگی پوری ایمانداری اور خوش دلی سے کیا کریں گے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں اور بلاشبہ ایسے لوگ موجود بھی ہیں۔ لیکن اس بات کا کیا علاج کہ ہمارے ہاں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو سرے سے اس نظام ہی کے مخالف ہیں اور صرف عوام کی بات نہیں، اساطینِ حکومت میں بھی ایسا طبقہ موجود ہے۔ علاوہ ازیں ہمارے معاشرہ میں وہ امراض بھی موجود ہیں جن کی مندرجہ بالا سطور میں نشاندہی کی گئی ہے۔ لہٰذا ہمارے خیال میں حسنِ ظن کی بجائے احتیاطی تدابیر کو مقدم سمجھنا ضروری ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم زکوٰۃ و عشر آرڈیننس کا جائزہ لیتے ہیں۔ سرسری جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ:

۱۔ زیادہ توجہ نظامِ زکوٰۃ کے انتظامی ڈھانچہ کی طرف مبذول کی گئی ہے۔ لیکن مکمل زکوٰۃ کی وصولی کی طرف توجہ کم دی گئی ہے۔ صرف نقدی، بنک میں جمع شدہ میعادی رقوم اور اجناس کی زکوٰۃ تک اسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محدود رکھا گیا ہے ۔

۲ ۔ زکوٰۃ کی وصولی میں نہایت نرم پالیسی اختیار کی گئی ہے ۔

۳ ۔ زکوٰۃ کی وصولی کی بیشتر ذمہ داری تو مقامی کمیٹیوں پر ہوگی لیکن اس کی تشکیل اور ذمہ داریوں کا محض ایک دھندلا سا خاکہ پیش کیا گیا ہے ۔

۴ ۔ حکومت جو تھوڑی بہت زکوٰۃ وصول کرے گی، اسے معذور افراد کی امداد پر خرچ کیا جائیگا ۔ رہے حکومت کے ٹیکس تو وہ علیٰ حالہٖ قائم رہیں گے، الّا یہ کہ عشر کے مقابلہ میں مالیہ ساقط ہو جائیگا ۔ اور نقدی اور میعادی رقوم کی زکوٰۃ انکم ٹیکس یا دولت ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دی جائے گی ۔

ہم انہی تنقیحات کی روشنی میں تفصیلات اور تجاویز پیش کریں گے ۔

(۱) زکوٰۃ کے محاصل یا محل نصاب اشیاء

زکوٰۃ مندرجہ ذیل اشیاء پر عائد ہوتی ہے (یہ واضح رہے کہ زکوٰۃ کیلئے قرآن کریم میں زکوٰۃ، صدقہ اور انفاق فی سبیل اللہ تینوں نام استعمال ہوئے ہیں اور زکوٰۃ کے معانی کی تصدیق سیاق و سباق یا احادیث سے ہوتی ہے) :

ا ۔ بچتیں :

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ" (التوبۃ : ۳۴)

کہ "جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے!"

عہدِ نبوی میں بچت کی صورت صرف سونا چاندی ہی تھے ۔ درہم و دینار (نقدی) بھی سونا چاندی ہی کے ہوتے تھے ۔ لیکن آجکل بچتوں کی مندرجہ ذیل صورتیں پائی جاتی ہیں :

۱ ۔ نقد رقوم یعنی کاغذی زر ۔

۲ ۔ سونا چاندی یا اس کے زیورات ۔

۳ ۔ بنکوں میں جمع شدہ رقوم، میعادی اور عندالطلب یا ڈاکخانہ کے سیونگ ڈیپازٹ ۔

۴ ۔ مشترکہ سرمائے کی کمپنیوں کے حصص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۔ نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ یونٹس ۔

۶۔ بیمہ کمپنیوں کو ادا شدہ رقوم ۔

۷۔ مختلف قسم کے سرکاری تمسکات ۔

بچتوں پر زکوٰۃ کی شرح ۲½ ٪ یا ربع عشر ہے ۔ اور بچت سے مراد وہ بچت ہے جس پر ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہو۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کا اصول یہ ہے کہ جو اموال صاحبِ مال کے سوا دوسروں کے علم میں نہ آسکیں (یعنی اموالِ باطنہ) ان کی تشخیص صاحبِ مال خود کرتا ہے ۔ اور اس کا حساب براہِ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے ۔ اس میں حکومتِ وقت گرفت نہیں کر سکتی ۔ اور جو اموال دوسرے کے علم میں آسکیں، وہ اموالِ ظاہر ہیں ۔ یہاں خود تشخیص طریقِ کار استعمال نہیں ہوگا ۔ ہر طرح کے اموال کی زکوٰۃ اسلامی ریاست وصول کرے گی ۔

ساڑھے باون تولے سے کم چاندی، ساڑھے سات تولے سے کم سونا اور تقریباً ایک ہزار سے کم نقدی پر زکوٰۃ نہیں ہے ۔

۲۔ زرعی پیداوار:

ارشادِ ربانی ہے :

﴿ كُلُوا مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ﴾ (الانعام: ۱۴۱)

(جب یہ چیزیں پھلیں تو ان کے پھل کھاؤ ۔ اور جس دن پھل توڑو اور کھیتی کاٹو تو خدا کا حق اس میں سے ادا کرو۔)

اس خدا کے حق کی تفصیل سنت سے یہ ملتی ہے :

۱۔ زرعی پیداوار سے مراد صرف اجناس نہیں بلکہ پھل بھی ہیں ۔ خصوصاً ایسے پھلوں پر زکوٰۃ واجب ہے جو سٹور کیے جا سکتے ہیں ۔ مثلاً بادام، کھجور، منقہ وغیرہ ۔ اور وہ پھل جو جلد خراب ہو جاتے ہیں مثلاً کینو، سنگترہ، کیلا، امرود وغیرہ، ان پر زرعی زکوٰۃ واجب نہیں ہے ۔

۲۔ ہر وہ پیداوار جس کی آبپاشی مصنوعی ذرائع سے کرنی پڑے، اس پر زکوٰۃ ۵٪ یا نصف عشر ہے ۔

۳۔ ہر وہ پیداوار جو قدرتی ذرائع سے سیراب ہو سکے، خواہ بارش سے ہو یا ندی نالوں سے ۔ یا اس کی جڑیں زمین سے پانی کھینچ کر سیراب ہوتی رہیں، ان پر زکوٰۃ ۱۰٪ یا عشر ہے ۔

۴۔ یہ زکوٰۃ سال بھر میں اتنی بار لی جائے گی جتنی بار فصل تیار ہو۔

۵۔ ۵ وسق یا تقریباً ۲۵ من سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے ۔ ایک من بھی بڑھ جائے تو پوری مقدار پر زکوٰۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عائد ہوگی۔

۳۔ اموالِ تجارت اور صنعت :

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ" (بقرہ : ۲۶۷)

کہ "اے ایمان والو، جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو، اس میں سے راہِ خدا میں خرچ کرو!"

اور اس آیت کی تشریح سنت سے یوں ملتی ہے :

"عن سمرۃ بن جندب قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یأمرنا

ان نخرج الصدقۃ من الذی نعدہ للبیع" (ابوداؤد)

"سمرۃؓ بن جندب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم فرمایا کرتے تھے کہ ہم اموالِ تجارت سے زکوٰۃ ادا کریں"

اموالِ تجارت کی زکوٰۃ کی تفصیل یوں ہے :

۱۔ اس زکوٰۃ کی شرح، نصاب، شرط زکوٰۃ، بچت کی زکوٰۃ کے مطابق ہے۔ یعنی ایک سال بعد ۲½ فیصد کے حساب سے ادائیگی کی جائے گی اور ایک ہزار روپیہ سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

۲۔ اموالِ تجارت میں دکان کا باردانہ، فرنیچر اور سٹیشنری وغیرہ شامل نہیں ہیں۔ صرف وہ سامان محسوب ہوگا جو قابلِ فروخت ہو۔

۳۔ زکوٰۃ موجودہ مالیت پر عائد ہوگی۔ مثلاً زید نے پچھلے سال ۱۰ ہزار سے کاروبار شروع کیا جو اس وقت ۱۴ ہزار کی مالیت کا ہے۔ تو زکوٰۃ ۱۴ ہزار پر ہوگی نہ کہ ۱۰ ہزار پر۔ اسی طرح اگر اسے نقصان ہوگیا اور موجودہ مالیت ۷ ہزار ہے۔ تو زکوٰۃ ۷ ہزار پر عائد ہوگی نہ کہ ۱۰ ہزار پر۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اموالِ تجارت کے کل اجزاء پر سال گزرنے کی شرط نہیں ہے۔

۴۔ صنعتی پیداوار :

عہدِ نبوی میں عرب میں کوئی صنعتی پیداوار نہیں تھی۔ فقہائے کرام نے مندرجہ بالا آیت اور ارشادِ نبوی سے صنعتی پیداوار کو واجب قرار دیا ہے۔ صنعتی پیداوار کی زکوٰۃ کی تفصیل یہ ہے :

۱۔ فیکٹری یا کارخانہ کی عمارت اور مشینری اموالِ تجارت سے مستثنیٰ ہے۔ اگرچہ سرمایہ کا کثیر حصہ انہی مدات پر صرف ہو چکا ہو۔

۲۔ صنعتی پیداوار کی زکوٰۃ میں اختلاف ہے کہ آیا وہ تجارتی زکوٰۃ ۲½ فیصد کے حساب سے

© rasailojaraid.com

... ہو یا ۵٪ کے حساب زرعی زکوٰۃ کے مطابق ہو۔ جو علماء اسے زرعی زکوٰۃ کے مطابق قرار دیتے ہیں ان کے دلائل یہ ہیں کہ فیکٹری کی عمارت اور مشینری بمنزلہ کھیت ہے جس میں سرمایہ کا کثیر حصہ صرف ہو جاتا ہے۔ نیز جس طرح زمین سال میں کئی بار فصل پیدا کرتی ہے، اسی طرح فیکٹری بھی پیداوار مہیا کرتی رہتی ہے۔ اگر فیکٹری پر بھی سال بعد موجود مالیت پر زکوٰۃ عائد کی جائے تو فیکٹری میں تو اپنے صرف شدہ سرمایہ کا بیسواں حصہ بھی موجود نہ ہوگا۔ ان وجوہات کی بنا پر صنعتی پیداوار کی زکوٰۃ کل مجموعی پیداوار پر ہونا چاہیئے اور ۵٪ کے حساب سے ہونا چاہیئے۔ البتہ اس کی ادائیگی سال بھر بعد کی جا سکتی ہے اور یہی خیال راجح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

۵۔ مویشی:

عہدِ نبوی میں مویشیوں میں سے اونٹ، گائے، بھینس اور بھیڑ بکری پر ایک سال بعد زکوٰۃ لی جاتی رہی ہے۔ سب مویشیوں کا نصاب الگ الگ ہے۔ البتہ شرح نصاب تقریباً تقریباً ۲½٪ ہی بنتی ہے ——— ہمارے یہاں اونٹ کی بود و باش کیلئے ماحول سازگار نہیں۔ صرف بار برداری کیلئے تھوڑی سی تعداد میں پالا جاتا ہے۔ البتہ بھیڑ بکری اور گائے بھینس بکثرت پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں اونٹ کے بجائے ہمارے یہاں مرغبانی اور مچھلی فارم نے نسل کشی یا تجارتی نظریہ سے وہی جگہ لے رکھی ہے جو عرب میں اونٹ کی ہے۔ لہٰذا ہمارے خیال میں ان پر زکوٰۃ عائد ہونی چاہیئے۔

۶۔ دفینے اور معدنیات:

اموالِ تجارت کے ضمن میں درج شدہ آیت کا اگلا حصہ یہ ہے:

"وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ" (البقرۃ: ۲۶۶)

"اور ان چیزوں سے بھی خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں۔"

زمین سے نکلی ہوئی چیزیں زرعی پیداوار بھی ہو سکتی ہے اور دفینے اور معدنیات بھی۔ معدنیات وغیرہ کی تخصیص درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ... قَالَ ... وَفِی الرِّکَازِ الْخُمُسُ۔" (متفق علیہ)

"ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "رکاز میں پانچواں حصہ زکوٰۃ ہے۔" (بخاری، مسلم)

"رکاز سے مراد زمین میں گڑی ہوئی دھاتیں (معدنیات وغیرہ) اور مدفون خزانے ہیں۔ اگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ کسی شخص کی ذاتی ملکیت میں ہوں، جیسے کسی کی زمین میں سے کوئی خزانہ نکل آیا تو اس پر زکوٰۃ ۲۰ ٪ یا خمس ہوگی۔ اور اگر یہ مدفون خزانے معدنیات، کوئلہ، پتھر، نمک، تیل، گیس وغیرہ کی شکل میں اور حکومت کی تحویل ہوں تو کھدائی، صفائی کے اخراجات کے بعد اس کی کل آمدنی قومی ملکیت میں ہوگی اور یہ بیت المال کی آمدنی ہوگی۔

نوٹ: جو لوگ اپنے زائد سرمایہ سے زمینوں کے پلاٹ اور مکان خریدنے اور فروخت کرتے رہتے ہیں یا مکان تعمیر کرکے بیچنے کا کاروبار کرتے ہیں، ان پر تجارتی زکوٰۃ عائد ہوگی۔ البتہ جو لوگ دوکانیں یا مکان تعمیر کرکے انہیں کرایہ پر چڑھا دیتے ہیں تو زکوٰۃ وصول شدہ کرائے کی کل رقم پر ہوگی۔ ذاتی ضرورت کیلئے پلاٹ یا دوکان یا مکان خریدنے پر کوئی زکوٰۃ نہیں[1]

۲۔ زکوٰۃ وصول کرنا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے

اسلامی نقطۂ نظر سے انفرادی طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی کو پسند نہیں کیا گیا۔ جس طرح نظامِ صلوٰۃ ایک اجتماعی نظام ہے، اسی طرح زکوٰۃ بھی ایک اجتماعی نظام ہے۔ اور ایک اسلامی ریاست پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرکے اس کے مقررہ مصارف پر خرچ کرے۔ زکوٰۃ کے احکام کیلئے طرزِ تخاطب یوں ہے:

"خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً"

"اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) ان مسلمانوں کے اموال سے زکوٰۃ وصول کیجئے!"

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو انہیں زکوٰۃ کی وصولی سے متعلقہ احکام بھی لکھ کر دیئے اور اس کے فلسفہ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

"تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَاءِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ" (متفق علیہ)

"زکوٰۃ وہاں کے مسلمانوں سے وصول کی جائے اور وہاں کے فقراء کو لوٹائی جائے گی"

آپؐ نے خود بھی زکوٰۃ کی وصولی کا مکمل انتظام کر رکھا تھا۔ آپؐ کے وصال کے بعد کچھ لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی سے منحرف ہوگئے تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

"فان الزكوٰة حق المال والله لو منعوني عناقا كانوا يؤدونها الى رسول الله صلى الله عليه وسلم لقاتلتهم على منعها" (متفق علیہ)

"بلاشبہ زکوٰۃ اموال میں اللہ کا حق ہے اگر وہ اونٹ باندھنے کی رسی تک بھی ادا نہ کریں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت ادا کیا کرتے تھے تو میں ان سے اس بات پر جہاد کروں گا۔"

ان ارشادات سے بخوبی واضح ہے کہ حکومت لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرے اور عوام اپنی زکوٰۃ حکومت کو ادا کریں۔ قرآن کریم کے الفاظ "یؤتون الزکوٰۃ" سے بھی یہی مراد ہے۔

زکوٰۃ کی انفرادی طور پر ادائیگی کا جواز اس صورت میں ہے جب نظام زکوٰۃ موجود نہ ہو کیونکہ یہ ایک شرعی عذر ہے جس طرح بعض مجبوریوں یا شرعی عذر کے تحت نماز گھر میں پڑھنا جائز ہے۔ لیکن تاکید یہی ہے کہ فرضی نماز باجماعت ادا کی جائے۔ اور جس طرح نفل اور سنت نماز گھر پر پڑھنا بہتر ہے، اسی طرح نفلی صدقات انفرادی طور پر ادا کرنا بہتر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل ارشاد سے اسی بات کا اشارہ ملتا ہے:

"اِنَّ فِی الْمَالِ حَقًّا سِوَی الزَّکوٰۃِ" (ترمذی)

"یقیناً مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے"

ان تصریحات کے بعد اب زکوٰۃ وعشر آرڈیننس کے الفاظ پر غور فرمائیے:

"مزارعین کو عشر رضاکارانہ طور پر جمع کرانا ہوگا یا وہ خود تقسیم کریں گے۔"

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مزارعین کو اپنا مالِ زکوٰۃ خود تقسیم کرنے کی رعایت کس بنا پر دی گئی ہے جبکہ فصل اموالِ ظاہرہ سے ہے اور اموالِ ظاہرہ کی تشخیص زکوٰۃ دہندہ اور حکومت کے نمائندہ (یا عامل) کے باہمی مشورہ سے ہوتی ہے۔

انسان فطرتاً حریص واقع ہوا ہے۔ لہٰذا یہ احتمال موجود ہے کہ وہ ایسے حیلے بہانے تلاش کرے گا جن سے اس کی زکوٰۃ میں تخفیف ہو سکے۔ اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ زکوٰۃ کے خوف سے متفرق جانوروں کو جمع نہ کیا جائے اور نہ ہی مجتمع جانوروں کو متفرق کیا جائے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"عَنْ اَنَسٍ اَنَّ اَبَابَکْرِ الصِّدِّیقَ کَتَبَ لَہٗ ھٰذِہٖ الْفَرِیْضَۃَ الصَّدَقَۃَ الَّتِیْ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اسی طرح اور کئی کاروباری ادارے ہیں مثلاً ٹرانسپورٹ کمپنیاں، اخبارات کے دفاتر، ہوٹل وغیرہ۔ جو یقیناً زکوٰۃ ادا کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ ان پر زکوٰۃ کے نفاذ کے طریقِ کار کیلئے سعودی عرب کے نظامِ زکوٰۃ سے رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ ، وَالَّتِیْ اَمَرَاللّٰہُ بِہَا . . .

وَلَا یُجْمَعُ بَیْنَ مُتَفَرِّقٍ وَلَا یُفَرَّقُ بَیْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْیَةَ الصَّدَقَةِ (بخاری)

"حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو یہ تحریر لکھ کر دی تھی کہ زکوٰۃ وہ فریضہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر فرض کیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کا حکم دیا . . . . اور آپؐ نے فرمایا زکوٰۃ کے خوف سے متفرق جانوروں کو جمع نہ کیا جائے اور نہ ہی مجتمع جانوروں کو متفرق کیا جائے"

یہ دونوں صورتیں زکوٰۃ میں تخفیف یا اس سے بچنے کی حیلہ سازیاں ہیں۔ عرب میں یہ دستور تھا کہ ریوڑوں کے مالک ان کی نگہداشت اور رہائش کا انتظام تو مشترکہ طور پر کر لیتے تھے جبکہ مال سب کا الگ الگ ہوتا تھا ایسے شرکا کو خلیط کہتے تھے۔ اب ان حیلہ سازیوں کی مثال یوں سمجھئے کہ زید اور بکر دونوں کے پاس پچاس پچاس بکریاں ہیں۔ اور بکریوں کی شرح زکوٰۃ یہ ہے کہ چالیس بکریوں تک کوئی زکوٰۃ نہیں۔ ۴۰ سے ۱۲۰ تک زکوٰۃ ایک بکری ہے اور خلطاء کے مشترکہ مال پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ زید اور بکر خلیط نہیں۔ مگر زکوٰۃ کے وقت اپنا مال ملا کر خلیط ظاہر کرتے ہیں۔ تو ان کے مال پر صرف ایک بکری زکوٰۃ عائد ہو گی جبکہ اصولاً ان دونوں کو ایک ایک بکری زکوٰۃ ادا کرنا چاہیئے تھی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مثلاً زید کے پاس ۳۰ بکریاں ہیں اور بکر کے پاس ۲۰۔ اور وہ آپس میں خلیط ہیں اور ان پر ایک بکری زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ لیکن بروقت وہ علیحدہ ہو جاتے ہیں اور اپنا مال الگ الگ کر لیتے ہیں تو اس طرح وہ دونوں زکوٰۃ سے بچ جائیں گے۔

لہٰذا اموالِ ظاہرہ میں ایسی حیلہ سازیوں کی روک تھام کیلئے شریعت ایسے امور میں خود تشخیص طریق کار کو جائز قرار نہیں دیتی۔

ایسی حیلہ سازیوں کا احتمال اموالِ باطنہ میں بھی موجود رہے۔ لیکن وہاں مجبوری ہے اور زکوٰۃ دہندہ کا معاملہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے ہے۔ حکومت ایسی تشخیص میں دخل نہیں دیگی۔

اسی طرح اموالِ باطنہ کے سلسلہ میں یہ صراحت ہے کہ "مال کی تشخیص کے بعد زکوٰۃ دہندہ کو زکوٰۃ کی رقم رضا کارانہ طور پر زکوٰۃ فنڈ میں جمع کرانا ہو گی۔ یا اپنے طور پر تقسیم کرنے کا اختیار رہو گا"

ہمارے خیال میں تشخیص کا حق تو زکوٰۃ دہندہ کو دیا گیا ہے۔ لیکن اس کی ادائیگی کی بہتر صورت یہی ہے کہ وہ زکوٰۃ فنڈ میں ہی جمع کرائے۔ اور حکومت ایسی زکوٰۃ بھی اسی طرح وصول کرے جیسے مالکانِ زمین سے عشر وصول کریگی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خود تشخیص طریقِ کار کیلئے حکومت کو ایک فارم مہیا کرنا چاہیئے جس پر مطلوبہ تفصیلات کا اندراج ہو۔ یہ فارم زکوٰۃ دہندہ حلفیہ بیان کے ساتھ پڑھ کر مقامی کمیٹی کے حوالہ کریگا اور ساتھ ہی اتنی زکوٰۃ ادا کریگا۔

علاوہ ازیں ایک مسلمان کا زکوٰۃ ادا نہ کرنا ایک تعزیری جرم ہے جس کے لئے حکومت کو سخت سزا مقرر کرنی چاہیئے۔

زکوٰۃ کی وصولی کیلئے کوئی بھی قمری مہینہ تجویز کیا جاسکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں زکوٰۃ ماہِ رجب میں وصول کی جاتی تھی ـــــ ہم اپنے احوال و ظروف کے مطابق کوئی بھی مہینہ تجویز کر سکتے ہیں تاہم اس کا تعلق ہجری تقویم سے ہونا ضروری ہے۔

۳۔ مقامی کمیٹی کی تشکیل اور ذمہ داریاں

یہ تو ظاہر ہے کہ نظامِ زکوٰۃ کو مؤثر اور بار آور بنانے کی زیادہ تر ذمہ داری مقامی کمیٹیوں کی ہوگی۔ لہٰذا اس کے ارکان کے انتخاب میں احتیاط، اس کے طریقِ کار اور ذمہ داریوں کی وضاحت ضروری ہے۔ ہمارے خیال میں درج ذیل امور کا بالخصوص لحاظ رکھا جانا چاہیئے۔

۱۔ اس کمیٹی کا مرکز یا دفتر محلہ یا گاؤں کی مسجد ہو۔ کیونکہ زکوٰۃ کی فراہمی اور تقسیم وغیرہ کے سلسلے میں جس دیانت کی ضرورت ہے اس کا منبع یہی مسجد ہے۔ مسجد ہی مسلمانوں کا وہ مرکزی مقام ہے۔ جہاں عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہ میں اسلامی زندگی سے متعلق جملہ امور طے پاتے تھے۔ اس سے نظامِ صلوٰۃ کو بھی تقویت پہنچے گی اور مسجد کو بھی اس کا صحیح مقام حاصل ہوگا۔ جس سے غفلت کی وجہ سے آج ہم گوناگوں پریشانیوں سے دوچار ہیں۔

۲۔ مقامی کمیٹی کے اجتماعات ہر جمعہ کو بعد از نمازِ جمعہ ہوا کریں تاکہ کمیٹی کی کارروائی بسہولت سرانجام پاسکے اور اس کیلئے علیحدہ دفتر یا عمارت کی ضرورت پیش نہ آئے۔ کارروائی کے لئے علیحدہ وقت مقرر کرنے اور آمد و رفت کی زحمت سے بھی نجات ملے گی۔ اسی طرح ایجنڈا وغیرہ ارسال کرنے کی بھی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ کیونکہ ایسی اطلاعات کسی بھی وقت نمازیوں کے ذریعے پہنچائی جاسکیں گی۔

اسی طرح اگر تحصیل کمیٹی کا اجتماع تحصیل کے صدر مقام اور ضلعی کمیٹی کا ضلع کے صدر مقام کی کسی مرکزی مسجد میں ہوا کرے تو بہت بہتر ہوگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳ - ارکان کے انتخاب کے متعلق ہماری رائے یہ ہے کہ اس کا ناظم امام مسجد ہونا چاہیئے۔ ریکارڈ وغیرہ اسی کے پاس ہو۔ دوسرا رکن پٹواری مال اور تیسرا پٹواری نہر ہونا چاہیئے - تاکہ عشر کے مال کی صحیح طور پر تشخیص ہو سکے - اور بعض دوسرے امور میں بھی یہ ارکان مفید ثابت ہوں گے۔ باقی تین ارکان کا انتخاب بھی مسجد کی منتظمہ کمیٹی کے سپرد کر دینا چاہیئے۔ ان ارکان کے انتخاب میں مندرجہ ذیل باتیں ملحوظ رکھی جائیں:

(ا) وہ مسجد سے رابطہ رکھتے ہوں۔ (ب) دیانتدار ہوں۔

(ج) حلقہ کے بااثر افراد سے ہوں اور اتنی اخلاقی جرأت رکھتے ہوں کہ بدعنوانی کا مقابلہ کر سکیں۔

لہذا آرڈیننس کے الفاظ "مقامی کھاتہ کا انتظام چلانے کے لئے چار سے چھ ارکان کی کمیٹی قائم کی جائیگی جن کا انتخاب مقامی آبادی میں رہنے والے بندے کریں گے" میں مناسب شرائط کا اضافہ کیا جانا چاہیئے۔

۴ - **مقامی کمیٹی کا حلقہ:** ہمارے خیال میں اس کمیٹی کا حلقہ اثر وہی ہونا چاہیئے جو ایک نکاح رجسٹرار کا ہے تاکہ از سر نو حلقہ بندی کی ضرورت پیش نہ آئے۔

مقامی کمیٹی کی ذمہ داریاں

مقامی کمیٹی کی پہلی اور سب سے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ وصول کرے۔ اس سلسلہ میں شریعت نے مندرجہ ذیل ہدایات دی ہیں:

۱ - عاملین کو خود مالِ زکوٰۃ کے موقعہ پر جانا چاہیئے:

زکوٰۃ کی تشخیص اسی مقام پر ہوگی جس جگہ مالِ زکوٰۃ موجود ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

"عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْخَذُ صَدَقَاتُ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى مِيَاهِهِمْ" (احمد)

"حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے باپ سے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمانوں سے زکوٰۃ ان کے آبپاشی کے مقامات پر وصول کی جائے۔"

یہ حدیث زرعی پیداوار سے متعلق ہے۔ مویشیوں سے متعلق درج ذیل حدیث ملاحظہ ہو:

"عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ وَلَا تُؤْخَذُ صَدَقَاتُهُمْ اِلَّا فِيْ دُوْرِهِمْ" (ابوداؤد)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، "نہ تو عامل ایک جگہ بیٹھ کر علاقے کا مال اپنے پاس منگوائے اور نہ مسلمان اپنا مال اصل مقام سے دور لے جائیں۔ بلکہ جہاں یہ مال ہو، اسی جگہ زکوٰۃ وصول کی جائیگی۔"

موقعہ پر مال کی تشخیص کا فائدہ یہ ہے کہ فریقین میں سے کسی کو شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس اصول کے مطابق فصل کی تشخیص کھیتوں میں، پھلوں کی تشخیص باغ میں، مویشیوں کی چراگاہوں میں، دوکانوں کی دوکانوں پر اور فیکٹریوں کی فیکٹریوں میں کی جانی چاہیئے۔

۲۔ زکوٰۃ دہندہ کی سہولت:

ادائیگی زکوٰۃ میں زکوٰۃ دہندہ کی سہولت کو مدِنظر رکھنا ضروری ہے۔ اگر وہ کسی چیز کی زکوٰۃ اسی چیز میں سے ادا کرنے میں سہولت سمجھتا ہے، مثلاً گندم کی گندم سے، کپڑے کی کپڑے سے یا بکریوں کی بکریوں سے تو عامل کو اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ اور اگر وہ زکوٰۃ نقدی میں ادا کرنا چاہے اور اس میں اسے سہولت ہو۔ تو یہ بھی زکوٰۃ دہندہ کی مرضی پر منحصر ہے۔ عامل اسے اپنی سہولت کی خاطر زکوٰۃ نقدی کی صورت میں ادا کرنے کی نہ ترغیب دے سکتا ہے نہ مجبور کر سکتا ہے۔

۳۔ زکوٰۃ کی تشخیص میں میانہ روی:

عاملینِ زکوٰۃ کو (مویشیوں کی زکوٰۃ کے متعلق) یہ ہدایت تھی کہ وہ اعلیٰ مال مت لیں بلکہ اعلیٰ، اوسط، اور ادنیٰ تین درجے کرکے ان میں اوسط سے زکوٰۃ وصول کریں۔ اسی طرح اگر مال کی قیمت لگانے کی ضرورت پیش آئے تو معقول نرخ کا استعمال کیا جائیگا۔

۴۔ مراعات:

عواملِ پیداوار زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ زرعی اجناس کے سلسلہ میں ہل، بیل، ٹریکٹر وغیرہ۔ دوکانوں کی صورت میں عمارت، فرنیچر، سٹیشنری۔ اور کارخانہ کی صورت میں عمارت کے علاوہ مشینری یہ سب عوامل ہیں۔

پھلوں کی زکوٰۃ کی تشخیص میں کل پیداوار کا ۱/۳ سے ۱/۴ تک وضع کرکے زکوٰۃ عائد ہوگی۔

مقامی کمیٹی کی دوسری ذمہ داری یہ ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے علاقہ کے معذور افراد، یتیم، بیوہ اور اسی قسم کے دوسرے مستحقین کی فہرستیں تیار کرکے بالائی کمیٹیوں کو مہیا کرے۔ نیز یہ پتہ لگائے کہ ان معذور افراد کے ایسے رشتہ دار جن کے ذمہ ان کی کفالت کی ذمہ داری ہے، کیوں عدم توجہی برت رہے ہیں؟

علاوہ ازیں اتفاقی حوادث کا شکار ہونے والے افراد، جو امداد یا قرضہ کے حاجت مند ہوں، ان کی درخواستوں کی تحقیق و تصدیق کرے۔ جس کے لئے مجوزہ فارم حکومت کو مہیا کرنے چاہئیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقامی کمیٹی کی تیسری ذمہ داری یہ ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے علاقہ کی معاشی فلاح وبہبود کا خیال رکھے۔ ہمارا ملک چونکہ زرعی ملک ہے اور زکوٰۃ کا ایک معقول حصہ زرعی پیداوار سے حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کمیٹی کے ذریعہ ایسے اقدامات کئے جا سکتے ہیں جن سے مزارع اور مالک کے تعلق خوشگوار رہیں، فصل زیادہ پیدا ہو اور علیٰ ہٰذا القیاس زکوٰۃ میں بھی اضافہ ہو۔ ان اغراض کیلئے ہماری رائے میں درج ذیل اقدامات کئے جا سکتے ہیں:

۱۔ یہ کمیٹی مقام اور حالات کا لحاظ رکھتے ہوئے بٹائی کی کم از کم شرح مقرر کر دے۔ جو کسانوں کی محنت کا مناسب صلہ بھی ہو اور ان کی ضروریاتِ زندگی کی معقول کفالت بھی کر سکے۔ نیز ایسی تمام شرائط خواہ وہ رواجاً قائم ہوں یا زبانی طے شدہ ہوں۔ جن کی بنا پر زمیندار کسانوں کی بیچارگی سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے یا بیگار لیتا ہے، یہ حکومت کے نوٹس میں لانا چاہئیں تاکہ وہ قانوناً ممنوع قرار دی جا سکیں۔ اس طرح کسان معاشرہ کے ایک باعزت فرد کے طور پر خوشدلی سے کام کر سکے گا۔ اور یہ بات ملکی پیداوار میں اضافہ کا سبب ہو گی۔

۲۔ ہمارے ہاں انگریز بہادر کے وقت سے ابھی تک جاگیرداری کا دستور چلا آتا ہے جو انہیں سیاسی وفاداریوں کے عوض عطا کی گئی تھیں۔ انہیں آباد تو کاشتکاروں نے کیا لیکن خان بہادر حسب خواہش ان سے بٹائی بھی لیتے رہے اور مالک بھی بن بیٹھے اور آج تک مالک چلے آ رہے ہیں۔ اگر اسلامی قانون وراثت صحیح طریقے سے جاری ہوتا تو یہ کئی حصوں میں بٹ کر جاگیریں نہ رہ جاتیں۔ آج ایسی جاگیروں کے متعلق اور طریقے اختیار کئے جانے چاہئیں۔ مثلاً

(ا) انہیں اس وقت سے لے کر ورثاء میں شرعی قانونِ وراثت کے مطابق منتقل کر دیا جائے۔ اور یہ اگر ممکن نہ ہو تو

(ب) یہ ان کاشتکاروں کو دے دی جائیں جنہوں نے یہ آباد کیں۔ کیونکہ شرعی قانونِ ملکیت یہ ہے کہ جو شخص بنجر زمین کو آباد کرے وہ اسی کی ملکیت ہوتی ہے۔ اور جس شخص کو بنجر زمین آباد کاری کے لئے دی جائے اور وہ تین سال تک اسے آباد نہ کر سکے۔ حکومت اس سے وہ زمین بلا معاوضہ لے کر دوسرے آباد کار کو دے سکتی ہے۔

۳۔ اسی طرح مرہونہ زمینوں کے جتنے سودی طریقے رائج ہیں، ان کا جائزہ لیا جائے۔ اور جو اس وقت تک ناجائز طریقوں سے زیر بار ہیں اور جو کچھ فائدہ راہن اب تک حاصل کر چکا ہے وہ اسلامی طریقہ کے مطابق قرضہ سے وضع کر کے بقایا قرضہ زکوٰۃ فنڈ سے ادا کر کے زمینیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آزاد کرواکر اصل مالکان کو دی جائیں ۔ اور قرضہ کی شرائط طے کی جائیں ۔ اور جن زمینوں سے راہن، قرض سے زیادہ فائدہ حاصل کر چکا ہے ، انہیں فوری طور پر اصل کاشتکاروں کی ملکیت میں دینا چاہیے۔

۴ ۔ پاکستان ایک زرعی ملک ہونے کے باوجود اس کا بہت سا قابلِ کاشت رقبہ بنجر اور بے کار پڑا ہوا ہے ۔ پاکستان کا کل رقبہ ۱۹٫۶۸ کروڑ ایکڑ ہے ۔ جس میں سے دس کروڑ ایکڑ سے کچھ زائد کا سروے ہو چکا ہے ۔ اسی سروے شدہ زمین میں سے ۷٫۲۵ کروڑ ایکڑ رقبہ قابلِ کاشت قرار دیا گیا ہے ۔ لیکن کاشت صرف ۴٫۶۸ کروڑ ایکڑ رقبہ ہو رہی ہے ۔ اور ۲٫۷ کروڑ ایکڑ قابلِ کاشت رقبہ ابھی تک بنجر اور بے کار پڑا ہوا ہے ۔ جو کاشت شدہ رقبے کے نصف سے بھی زائد ہے ۔

دوسری طرف صورتِ حال یہ ہے کہ پاکستان کی جمعیت محنت کا ۲۰ % حصہ بے کار اور بے روزگار ہے ۔ لہٰذا ایک اسلامی حکومت کا فوری اقدام یہ ہونا چاہیئے کہ ایسی زمینوں کو ضرورت مند کاشتکاروں کو آبادکاری اور ملکیت کی شرعی شرائط کے مطابق دیدے ۔ جس سے پیداوار میں اور اسی تناسب سے زکوٰۃ میں نمایاں اضافہ ہو سکتا ہے ۔ اور اس کام کیلئے مقامی کمیٹیاں ابتدائی معلومات بخوبی مہیا کر سکتی ہیں ۔

گویا مقامی کمیٹیاں ایک ادارہ ہوگا جس کے سپرد پاکستان کے غریب عوام اور کسانوں کو فائدہ پہنچانے کی بہت سی ذمہ داریاں ہونگی ۔ لہٰذا ان ارکان کو معقول معاوضہ بھی دیا جانا چاہیئے جو قرآنِ کریم کے بیان کردہ مصارف کے مطابق زکوٰۃ فنڈ سے ادا کیا جائیگا ۔

۱۔ زکوٰۃ اور ٹیکس

زکوٰۃ و عشر آرڈی ننس کے اعلان کے بعد خصوصاً اس نہج پر سوچا جا رہا ہے کہ آیا نفاذِ زکوٰۃ کے بعد دوسرے ٹیکسوں کے لئے کوئی شرعی جواز ہے ؟ اس سوال کا جواب ہم ذرا تفصیل سے دینا چاہتے ہیں۔

زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ دوسرے ٹیکسوں کے بحال رکھنے کے متعلق تین مکاتبِ فکر ہیں ۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ ایک اسلامی ریاست دوسرے ٹیکس بحال رکھ سکتی ہے بلکہ دوسرے نئے ٹیکس بھی حسبِ ضرورت عائد کر سکتی ہے ۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ عہدِ نبوی اور دورِ خلفائے راشدین میں حکومت کے اخراجات اور ذمہ داریاں بہت محدود تھیں ۔ اور یہ اخراجات زکوٰۃ یا بیت المال کے دوسرے ذرائع آمدنی سے پورے ہو جاتے تھے ۔ لیکن آج کے دور میں حکومت بہت سی ذمہ داریاں اپنے سر لے لیتی ہے ، اخراجات بھی بہت بڑھ چکے ہیں ۔ جو زکوٰۃ یا دوسرے ذرائع آمدنی سے پورے ہونا ناممکن ہیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لہٰذا حکومت کو اپنے انتظامی اخراجات اور منصوبوں کی تکمیل یا دوسری ضروریات کے لئے ٹیکس لگانے کی ضرورت بھی ہے اور شرعاً اجازت بھی۔ اس کی دلیل میں یہی حدیث پیش کی جاتی ہے:

"اِنَّ فِی الْمَالِ حَقًّا سِوَی الزَّکٰوۃِ" (ترمذی)

کہ "مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔"

دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ زکوٰۃ کے ساتھ دوسرے ٹیکس تو نہیں لگائے جا سکتے۔ البتہ اسلامی ریاست، زکوٰۃ کی شرح میں اضافہ کر سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو شرح زکوٰۃ مقرر کی تھی وہ اس دور کی مالی ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی تھی۔ لیکن آج کے دور میں یہ شرح ناکافی ثابت ہوگی۔ لہٰذا آج ایک اسلامی ریاست کا سربراہ مجلسِ شوریٰ کے مشورہ سے اس شرح میں اضافہ کر سکتا ہے۔ اس مکتبِ خیال کے لوگ گو بہت کم ہیں لیکن ان کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

تیسرے گروہ کا یہ خیال ہے کہ نہ تو زکوٰۃ کی شرح میں اضافہ کرنے کا کوئی شرعی جواز ہے اور نہ ہی دوسرے ٹیکس بحال رکھنے یا مزید ٹیکس عائد کرنے کا۔ رہا اخراجات سے نپٹنے کا معاملہ۔ تو یہ اخراجات شرعی نظام کے بعد خود بخود اعتدال پر آجائیں گے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ بیت المال کے مؤثر نظام سے اخراجات پر قابو نہ پایا جا سکے۔

ان مختلف افکار کا تجزیہ کرنے سے مندرجہ ذیل سوالات ذہن میں ابھرتے ہیں:

۱۔ ٹیکس کی حقیقت کیا ہے؟

۲۔ ٹیکس اور زکوٰۃ میں کیا فرق ہے؟

۳۔ آیا شرح زکوٰۃ میں تبدیلی جائز ہے؟

۴۔ کیا زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے ٹیکس عائد کرنے کا شرعاً جواز ہے؟

۵۔ اگر زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے ٹیکس موقوف کر دیئے جائیں تو کیا بیت المال کی آمدنی موجودہ دور کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کی کفیل ہو سکتی ہے؟

ذیل میں ہم انہی سوالات کا تحقیقی جائزہ لینا چاہتے ہیں:

قرونِ اولیٰ میں زکوٰۃ اور ٹیکس کی حقیقت:

عہدِ نبوی اور دورِ خلفائے راشدین میں مسلمانوں سے تو زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی اور غیر مسلموں سے خراج اور جزیہ۔ عرب کا ہمسایہ ملک ایران ایک متمدن حکومت تھی۔ ایران میں زمینداروں سے جو مالیہ وصول کیا جاتا اسے "خراگ" کہتے تھے "خراج" کا لفظ اسی سے مُعَرَّب ہے۔ "خراگ" کے علاوہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے ٹیکسوں کو گزیت، کہتے تھے۔ "جزیۃ" اس سے معرب ہے۔ گویا غیر مسلموں پر تو وہی ٹیکس بحال رکھے گئے جو زمانہ کے دستور کے مطابق تھے۔ مگر مسلمانوں سے یہ عام ٹیکس ساقط کر دیے گئے اور اس کے بجائے زکوٰۃ عائد کی گئی۔

ان ٹیکسوں اور زکوٰۃ میں دوسرا فرق یہ تھا کہ زکوٰۃ کا نصاب اور شرح ہمیشہ غیر متبدل رہی۔ جبکہ جزیہ اور خراج کی شرح میں تبدیلی ہوتی رہی ہے۔ مثلاً حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں جزیہ کی شرح ایک دینار فی کس سالانہ تھی۔ اور یہ رقم ہر بوڑھے، بچے، عورت، معذور سب سے بحساب مشترک وصول کی جاتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے بوڑھے، بچوں، عورتوں اور معذوروں سے جزیہ ساقط کر دیا۔ باقی غیر مسلم معاشرہ کے مالی لحاظ سے تین طبقے مقرر کئے۔ جن سے علی الترتیب ۴ دینار، ۲ دینار اور ایک دینار سالانہ کے حساب سے وصول کیا جاتا تھا۔ اسی طرح قبیلہ بنی تغلب کے عیسائیوں نے مسلمانوں سے درخواست کی کہ ان سے خراج کے بجائے دوگنا عشر لے لیا جائے، تو مسلمانوں نے ان کی یہ تجویز منظور کر لی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس دور میں زکوٰۃ کو دین کا رکن سمجھا جاتا تھا اور اس کے احکامات غیر متبدل تھے۔ جبکہ جزیہ اور خراج جیسے ٹیکس کسی دینی حیثیت کے حامل نہ تھے اور حسبِ ضرورت ان کی شرح میں تغیر و تبدل کر لیا جاتا تھا۔

تیسری قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ مسلمانوں سے زکوٰۃ کے علاوہ جو کچھ بھی وصول کیا جائے اسے "مکس" کہا جاتا تھا۔ "مکس" کے معنی المنجد (عربی۔ اردو) میں محصول ٹیکس اور چونگی لکھے ہیں۔ اور "ماکس" کے معنی "ٹیکس وصول کرنے والا"۔ منتہی الارب (عربی۔ فارسی) نے اس کے معنی "باج و خراج گرفتن" اور مقاییس اللغۃ (عربی۔ عربی) میں اس کے معنی "کَلِمَۃٌ تَدُلُّ عَلٰی جِبَایَۃِ مَالٍ" اور "جبایۃ"، کا لفظ محصول اکٹھا کرنے کے لئے محاورۃً استعمال ہوتا ہے۔

"مکس" کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ دورِ نبوی میں جب قبیلہ غامدیہ کی عورت کو زنا کے جرم میں سنگسار کیا گیا تو حضرت خالدؓ بن ولید نے اسے ایک پتھر مارا۔ جس کی وجہ سے خون کے چند چھینٹے حضرت خالدؓ کے منہ پر بھی آپڑے۔ حضرت خالدؓ نے اس عورت کو گالی دی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا،

"مَهْلًا یَا خَالِدُ، فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَۃً لَوْ تَابَہَا صَاحِبُ مَکْسٍ لَغُفِرَ لَہٗ۔" (مسلم)

"اے خالد، یہ کیا [illegible] اس ذات کی قسم جس کے [illegible] قدرت میں میری جان ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر کوئی ٹیکس وصول کرنے والا بھی ایسی توبہ کرے، تو معاف کر دیا جائے"!

گویا مکس کا جرم کسی صورت میں زنا سے کم نہیں ہے (بلکہ بڑھ کر ہے) دوسرے مقام پر آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"لَا يَدْخُلُ صَاحِبُ مَكْسٍ فِي الْجَنَّةِ"

کہ ٹیکس وصول کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔"

مشکوٰۃ میں مکس کا معنی "اَیْ مَنْ يَأْخُذُ الْعُشْرَ وَيَزِيْدُ عَلَيْهِ شَيْئًا" لکھا گیا ہے یعنی وہ شخص جو عشر وصول کرتا ہے اور اس سے کچھ زیادہ بھی لیتا ہے۔ ان الفاظ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ عامل یا زکوٰۃ وصول کرنے والا، زکوٰۃ وصول کرنے کے بعد جو کچھ بطور رشوت لے، وہ مکس ہے۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہے کہ وصول کنندہ حکومت عشر کی شرح میں اضافہ کر دے (مثلاً ۱/۲۰ کی بجائے ۱/۱۵ یا ۱/۵ (چاہی یا نہری) کے بجائے ۱/۷ وصول کرے) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حکومت عشر کے علاوہ، کوئی دوسرا ٹیکس بھی عائد کرے۔ تاہم لغت اس تیسرے مفہوم کی تائید کرتی ہے۔ اور یہ بات بھی قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ مکس کا لفظ ہی دوسری زبان میں جا کر ٹیکس بن گیا ہو۔

ان تصریحات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ "مکس" زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے ٹیکس کا نام ہے جو مسلمانوں پر عائد کیا جائے۔ یا پھر اس اضافہ کا نام ہے جو شرح زکوٰۃ میں کیا جائے اور یہ ایک کبیرہ گناہ ہے۔

۲۔ ٹیکس اور زکوٰۃ میں فرق

ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ ایک مکتبِ فکر ایسا بھی ہے جو زکوٰۃ اور ٹیکس میں کچھ فرق نہیں کرتا۔ الّا یہ کہ ایک اسلامی ریاست میں جو ٹیکس وصول کئے جاتے ہیں، انہی کا نام زکوٰۃ ہے۔ یا جس چیز کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے، اس کا موجودہ نام ٹیکس ہے۔ یہ بات حقیقت کے خلاف ہے۔ ان دونوں کے مقاصد، محاصل اور مصارف، نتائج اور مزاج کسی ایک چیز میں بھی مماثلت نہیں ہے۔ ان دونوں کے فرق کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

مقصد کے لحاظ سے فرق:

ٹیکس کا مقصد عوام کی آمدنی کا ایک حصہ لے کر اس سے نظامِ حکومت چلانا، رفاہِ عامہ کے کام کرنا اور اس سے ملکی ضروریات کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ جبکہ زکوٰۃ کا بنیادی مقصد تطہیرِ مال اور تزکیہ نفس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

"خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا" (۱۰۲)

"اے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، آپ ان (مسلمانوں) کے اموال سے زکوٰۃ وصول کرکے ان اموال کو پاک کیجئے اور ان کا تزکیہ نفس کیجئے۔"

اس آیت میں زکوٰۃ کے دو مقصد بیان کئے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ کمائی میں جو کوتاہیاں اور لغزشیں نادانستہ طور پر ہو جاتی ہیں، صدقہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ یہ کوتاہیاں معاف فرما دیتے ہیں۔ اور یہ کمائی پاک اور طیب ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر تاجروں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے تاجروں کے گروہ، سودا بازی میں بہت سی بیہودہ باتیں اور قسمیں شامل ہو جاتی ہیں۔ سو تم خرید و فروخت کے ساتھ ساتھ صدقہ بھی کیا کرو۔"

اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ صدقہ کی ادائیگی کی وجہ سے مال کی محبت سے پیدا ہونے والی اخلاقی بیماریوں کے جراثیم سے انسان کا دل پاک و صاف ہو جاتا ہے۔

زکوٰۃ پہلی امتوں پر بھی فرض کی گئی تھی۔ ان لوگوں کے اموالِ زکوٰۃ و خیرات اور نذر و نیاز ایک جگہ جمع کر دیئے جاتے۔ رات کو آسمان سے آگ آتی جو اس مال کو بھسم کر دیتی تھی۔ جو اس بات کی دلیل ہوتی کہ انکی قربانی قبول ہو گئی۔

زکوٰۃ کے ذریعہ غریب عنصر کی پرورش زکوٰۃ کا ضمنی فائدہ ہے۔ مقاصد وہی دو ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے امتِ محمدیہ کو غنیمت اور زکوٰۃ کے اموال کو معاشی بہبود کے طور پر استعمال کی اجازت دی ہے۔

مصارف کے لحاظ سے فرق:

اسلامی نقطۂ نظر سے معاشرہ کو معاشی لحاظ سے دو طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ ایک وہ جن سے زکوٰۃ وصول کی جائے۔ یہ لوگ اہلِ نصاب یا غنی ہیں۔

۲۔ دوسرے وہ جن میں زکوٰۃ تقسیم ہوگی۔ یہ لوگ فقراء و مساکین ہیں۔

اصول یہ ہے کہ اہلِ نصاب یا اغنیاء پر زکوٰۃ کا مال خرچ نہیں کیا جا سکتا۔ ان سے مال صرف لیا جاتا ہے۔ گویا زکوٰۃ کا مال امراء کی جیب سے نکلتا ہے اور غریبوں پر صرف ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ٹیکس کی رقوم کا بیشتر حصہ غریبوں کی جیب سے نکلتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ۷۷-۱۹۷۶ء کے گوشوارہ کے مطابق ہماری حکومت کی کل آمدنی کا ۷۵٪ حصہ صرف ٹیکسوں سے وصول ہوا تھا اور باقی ۲۵٪ دوسرے ذرائع آمدنی سے۔ اب یہ ٹیکس دو طرح کے ہوتے ہیں:

(و) بلاواسطہ یا براہ راست ٹیکس: جیسے انکم ٹیکس، پراپرٹی ٹیکس، دولت ٹیکس وغیرہ۔ یہ امراء پر لگائے جاتے ہیں۔ ۷۷-۱۹۷۶ء کے بجٹ کے مطابق ان ٹیکسوں سے ٹیکس کی مجموعی آمدنی کا صرف ۱۲۶۳٪ آمدنی ہوئی۔

(ب) بالواسطہ ٹیکس:

یہ وہ ٹیکس ہیں جو ادا تو تاجر اور صنعت کار کرتے ہیں۔ لیکن یہ ٹیکس قیمت فروخت میں شامل کر کے ان کا بوجھ صارفین پر ڈال دیتے ہیں۔ جیسے سیلز ٹیکس، ایکسائز ڈیوٹی وغیرہ۔ جو چینی، سریا، سیمنٹ، سوتی کپڑا اور دیگر بے شمار اشیاء پر لگائے جاتے ہیں۔ ان ٹیکسوں سے ٹیکس کی کل آمدنی کا ۸۷،۶۷٪ آمدنی ہوئی۔

ظاہر ہے کہ ہمارے ہاں صارفین کا بیشتر حصہ غریب طبقہ ہی ہے۔ لہٰذا ٹیکسوں کا زیادہ تر بوجھ بھی غریب طبقہ برداشت کرتا ہے۔

مصارف میں فرق:

زکوٰۃ کا سب سے بڑا اور اہم مصرف غریب طبقہ کی بنیادی ضروریات کی کفالت ہے۔ جبکہ ٹیکس ملکی ضروریات کو پورا کرنے اور رفاہِ عامہ کے کاموں پر خرچ ہوتے ہیں۔ گو یہ چیزیں سب کے لئے مشترکہ ہوتی ہیں۔ لیکن عملاً امیر طبقہ ہی ان سے زیادہ مفاد حاصل کر پاتا ہے۔ مثلاً اعلیٰ تعلیم کا حصول یا حصولِ انصاف جو کسی غریب کے بس کا روگ نہیں۔ اسی طرح اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ امیر طبقہ اپنے اثر اور وسائل کی بنا پر زیادہ فائدہ اٹھا جاتا ہے۔ گویا ٹیکس کی رقم جس کا زیادہ حصہ غریب کی جیب سے نکلا تھا اس سے امیر زیادہ فائدہ اٹھا گیا۔

زکوٰۃ دینِ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ اور اس کے ذریعہ طبقاتی تقسیم میں بہت حد تک کمی واقع ہو جاتی ہے۔ جبکہ ٹیکس سرمایہ داری نظام کے دو اہم ارکان، سود اور ٹیکس میں سے ایک رکن ہے۔ جس طرح سود سے بالآخر سرمایہ داری کو فائدہ پہنچتا ہے، اسی طرح ٹیکس کا بار بھی غرباء پر زیادہ ہوتا ہے جبکہ فائدہ امراء زیادہ حاصل کرتے ہیں۔

مزاج اور نتائج کے لحاظ سے فرق:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ عام ٹیکس عموماً آمدنی پر لگتے ہیں جس سے دولت جمع کرنے کی ہوس بڑھتی ہے۔ جبکہ زکوٰۃ عموماً بچت پر لگتی ہے۔ جس سے اندوختہ کاری کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور سرمایہ حرکت میں رہتا ہے جس سے معیشت پر اچھا اثر پڑتا ہے۔

۲۔ زکوٰۃ بچت پر لگنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس میں فرد کی ضرورتوں اور اخراجات کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ جبکہ عام ٹیکس آمدنی پر لگتے ہیں اور فرد کے اخراجات یا کمی بیشی کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ فرض کیجئے زید اور بکر دونوں ایک ایک ہزار روپیہ تنخواہ لیتے ہیں۔ زید ابھی غیر شادی شدہ ہے اور وہ بآسانی چھ سات سو روپے ماہوار پس انداز کر لیتا ہے۔ جبکہ بکر کے پانچ چھ بچے بھی ہیں اور وہ مشکل گزر بسر کرتا ہے تو ٹیکس ان کے اس اعتبار میں کوئی فرق نہیں کریگا۔

۳۔ عام ٹیکس محض حکومت کے نظم ونسق اور ترقیاتی منصوبوں پر خرچ کئے جاتے ہیں۔ جبکہ زکوٰۃ کا بیشتر حصہ ضرورت مند افراد پر خرچ کیا جاتا ہے۔ جس سے ان میں قوت خرید بڑھتی ہے اور اس طرح ملک کی پیداوار اور روزگار میں ترقی ہوتی ہے۔

۴۔ ٹیکس کو ایک بوجھ تصور کیا جاتا ہے۔ ٹیکس دہندہ کبھی پوری مالیت ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ اور ٹیکس وصول کرنے والے بھی رشوت بلکہ خود ٹیکس چوری کی راہیں پیدا کر دیتے ہیں۔ اس ملی بھگت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حکومت کو متوقع رقم کا نصف بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اور نہ ٹیکس بڑھانے اور مزید ٹیکس عائد کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ جبکہ زکوٰۃ ایک دینی فریضہ اور مالی عبادت ہے۔ جسے بیشتر مسلمان بخوشی ادا کر دینے میں ہی سعادت سمجھتے ہیں۔ اسی طرح اس میں رشوت کا بھی امکان بہت کم ہوتا ہے۔

۳۔ شرح زکوٰۃ میں تبدیلی

امراء کے اموال میں زکوٰۃ کا حصہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں، خود حق تعالیٰ نے مقرر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ" (المعارج: ۲۴،۲۵)

"ان امراء کے مالوں میں مانگنے اور نہ مانگنے والے، دونوں طرح کے غرباء کا حق ہے!"

نیز فرمایا:

"وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ" (الانعام: ۱۴۱)

"اور فصل کاٹنے کے دن اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرو۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت یوں فرمائی:

"عن انس ان ابا بکر الصدیق کتب لہ ھذہ الفریضۃ الصدقۃ التی فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المسلمین والتی امر اللہ بھا" (بخاری)

"حضرت انسؓ فرماتے ہیں، کہ صدیق اکبرؓ نے (اپنے دورِ خلافت میں) یہ تحریر لکھ کر دی تھی کہ "زکوٰۃ وہ دینی فریضہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر فرض کیا اور جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو حکم دیا"

اور جن چیزوں پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے، قرآنِ کریم سے اس کے حوالہ جات ہم پیش کر چکے ہیں اور زکوٰۃ کے مصارف بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں بلکہ خود حق تعالیٰ نے مقرر فرما دیئے ہیں۔

خدا تعالیٰ کے اس مقررہ حصہ یا زکوٰۃ کی شرح بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے تجویز نہیں فرمائی۔ تاکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے حق میں کمی بیشی کا امکان نہ رہے۔ چنانچہ اس معاملہ میں آپؐ نے اس قدر احتیاط ملحوظ رکھی کہ زکوٰۃ کی شرح سے متعلقہ احکام گورنروں کو لکھوا دیتے تھے جبکہ دوسرے احکامات زبانی بتلانے پر ہی اکتفا کر لیا جاتا تھا۔ جیسا کہ درج بالا حوالہ جات سے واضح ہے۔

عموماً یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر شرح زکوٰۃ ہمیشہ کے لئے مقرر ہوتی تو اس کا ذکر قرآنِ مجید میں ہونا چاہیئے تھا۔ ہمارے خیال میں اس اعتراض کی چنداں وقعت نہیں۔ بیشمار ایسے تاکیدی احکام ہیں جن کی تفصیل قرآنِ مجید میں موجود نہیں۔ اس کے باوجود ان کی تفصیلات کے دوام پر کسی کو اعتراض نہیں ہے۔ مثلاً نماز ہی کو لیجئے۔ جس کا ذکر قرآنِ کریم میں تقریباً سات سو بار آیا ہے۔ لیکن اس کی رکعات اور ادائیگی کے طریقِ کار کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ اس کی تفصیل جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتلائی وہ بعینہٖ خدا تعالیٰ کی منشا اور ہدایات کے مطابق تھی اور ہے اور تا قیامت رہے گی۔ یہی صورت زکوٰۃ، روزہ اور حج کے احکامات کی ہے۔

ان تصریحات سے واضح ہو جاتا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت، محل نصاب، مصارف اور شرح سب کچھ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے جس میں رد و بدل کا خود آپؐ کو بھی اختیار نہ تھا۔ خلفائے راشدین نے بھی یہی کچھ سمجھا۔ بعد میں بھی آج تک شرح زکوٰۃ میں تبدیلی کی بات سوچنے تک کی کسی کو جسارت نہیں ہوئی تو آج کسی دوسرے کو یہ اختیار کیونکر دیا جا سکتا ہے؟

۴۔ زکوٰۃ کی موجودگی میں دیگر ٹیکسوں کا جواز

لوگوں کی آمدنی میں غریبوں کا جو حق ہے یا جس سے نظم و نسق حکومت چلایا جا سکتا ہے، وہ حصہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے۔ زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے ذرائع بیت المال میں آتنی گنجائش ہے کہ ہر دور میں اخراجات کے ساتھ متوازن ہو سکیں۔ اندریں صورت، زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے ٹیکس تو کجا، صدقات و خیرات جو محض غریبوں کی خدمت، کی غرض سے لئے جاتے ہیں، تا قوتاً وصول نہیں کئے جا سکتے۔ اسلام نے بغیر حق کے جس طرح کسی مسلمان کا خون حرام قرار دیا ہے، بالکل اسی طرح اس کے مال کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ کیا حکومت کو بلا وجہ اپنی رعایا کے کسی فرد کے خون بہانے کا حق ہے؟ جس طرح یہ خون بہانا حرام ہے بعینہٖ اس کے مال میں تصرف کرنا اور اس کی عزت سے کھیلنا بھی حرام ہے۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں واضح طور پر یہ ہدایت فرمائی تھی:

"لوگو! تمہارے خون، اموال اور عزت و آبرو ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جیسے آج کا (عرفہ کا) دن، مہینہ (ذی الحجہ) اور یہ شہر (مکہ) تمہارے لئے با حرمت ہے۔" (بخاری و مسلم)

"ٹیکس کی حقیقت" کی تفصیل میں ہم یہ بھی بتلا چکے ہیں کہ ایک اسلامی ریاست میں ٹیکس غیر مسلم رعایا پر لگایا جاتا ہے اور اس کی شرح میں تبدیلی ممکن ہے جبکہ مسلمانوں پر صرف زکوٰۃ عائد ہوتی ہے اور زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے ٹیکس اور ان کی صورتیں "مکس" ہیں جو ایک جرم عظیم ہے۔

اور جو لوگ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد "إِنَّ فِي الْمَالِ حَقًّا سِوَى الزَّكٰوةِ" سے حکومت کے لئے دوسرے ٹیکس عائد کرنے کی سندِ جواز عطا کرتے ہیں۔ تو یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ اس ارشاد سے جو وضاحت ہوتی ہے، یہ ہے کہ مسلمانوں کو فقراء کی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ داری محض حکومت پر نہ ڈال دینی چاہیئے۔ بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی اپنے نفلی صدقات کے ذریعہ ان کی خبر گیری کرتے رہنا چاہیئے۔ اس عام حکم سے حکومت کو دوسرے ٹیکسوں کے لئے استدلال کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ جبکہ دوسری طرف ایسے ٹیکسوں کے لئے سخت وعید سنائی گئی ہے۔

اس صورتِ حالات میں ہم یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ آخر حکومت کے پاس وہ کون سا شرعی حق ہے جس کی بنا پر وہ لوگوں سے زکوٰۃ کے علاوہ جبراً کچھ وصول کرے؟ ایک شخص اگر اپنی ذاتی ضروریات کے لئے مکان بنا لیتا ہے تو اس پر پراپرٹی ٹیکس عائد کرنے کی وجہ جواز کیا ہے؟

یہ عجیب بات ہے کہ حکومت کو دورانِ جنگ جنگی اخراجات کے لئے، اگر اپیل سے کام نہ چل رہا ہو، تو جبری ٹیکس لگانے کا حق دیا گیا ہے مگر وہاں تو حکومتیں اپنا یہ حق استعمال نہیں کرتیں۔ اور ملک کے اندر اور باہر سے سودی قرضے لینا [illegible] جہاں [illegible] حق نہیں، وہاں ٹیکس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی شرح بڑھانی اور مزید ٹیکس عائد کرنی چلی جاتی ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ اگر حکومت کو زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے ٹیکس لگانے یا مزید بڑھانے کی اجازت دی جائے تو عوام کے پاس آخر وہ کونسی قوت ہے جو حکومت کی بدعنوانیوں کا محاسبہ کر سکے اور اسے راہِ راست پر لا سکے؟

اسی اختیار کی بنا پر حکومت لئی غیر دانشمندانہ اور غیر ترقیاتی منصوبے شروع کر دیتی ہے۔ اور اس کا بار اگر ٹیکسوں سے پورا نہ ہو سکے تو حکومت نئے نوٹ چھاپ کر اپنے اخراجات پورے کر لیتی ہے جس کا بار عوام پر پڑتا ہے۔ یہ گویا ایک جبری ٹیکس ہے جسے "HIDDEN TAX" بھی کہا جاتا ہے۔ گویا اسی شہ کی بنا پر حکومت کی معاشی پالیسیوں میں بے اعتدالی پیدا ہوتی ہے۔

۵۔ بڑھتے ہوئے اخراجات

شرح ٹیکس میں اضافہ یا دوسرے ٹیکس بحال رکھنے یا مزید ٹیکس عائد کرنے کی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ آجکل حکومتوں کی ذمہ داریاں اور اخراجات بہت بڑھ چکے ہیں۔ ہم عرض کریں گے کہ:

۱۔ اگر حکومت کے اخراجات بہت بڑھ چکے ہیں تو آمدنی کی مدات بھی بڑھ چکی ہیں۔ کئی محکمے کاروباری طریق پر چل رہے ہیں جن سے معقول آمدنی منافع ہوتی ہے مثلاً محکمہ ڈاک، تار، ریلوے، انہار وغیرہ۔

۲۔ بڑھتے ہوئے اخراجات کی بڑی وجہ ہمارا موجودہ نظام ہے۔ مثلاً عدلیہ کو لیجئے، جہاں ایک فوجداری مقدمہ بھی سالہاسال تک چلتا رہتا ہے۔ اسلامی نظام میں قتل جیسے مقدمہ کے لئے بھی ایک ماہ کا عرصہ درکار ہے۔ طریقِ کار میں اس تخفیف سے عدالتوں میں جہاں اس وقت ۱۰۰ جج کام کر رہے ہیں، وہاں پندرہ بیس بھی بہت کافی ہوں گے۔ اس طرح عدلیہ کے اخراجات کئی گنا کم ہو جائیں گے۔ مدعی اور مدعا علیہ کے جہاں اخراجات اور محنت کم ہو گی، عدالتوں میں تضیع اوقات سے جہاں نجات ملے گی وہاں ٹریفک کا دباؤ بھی کم ہو گا۔ گویا صرف عدلیہ کے نظام میں تبدیلی سے بہت سے اخراجات کم ہونے کا امکان ہے۔ تو جب پورا اسلامی نظام رائج ہو جائیگا تو اخراجات میں حیرت انگیز حد تک خود بخود کمی واقع ہو جائے گی۔

محکمہ امن و عدل کے سٹاف میں نمایاں کمی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہم کم تنخواہ دار افراد کی تنخواہ آسانی سے زیادہ کر سکیں گے جس سے رشوت کا سدِ باب ہوگا۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ رشوت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بنا پر مقدمات کا ایک لا متناہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔

اخراجات میں تخفیف کا تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ ایک غریب آدمی کے انصاف کا حصول ممکن ہو جائیگا جبکہ آجکل کورٹ فیس جیسے غیر شرعی محاصل انصاف کے حصول میں سنگِ گراں بنے ہوئے ہیں

۳۔ کئی محکمے جن کی اسلامی نظام میں گنجائش نہیں، خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ مثلاً خاندانی منصوبہ بندی اور فحاشی پھیلانے والے ثقافتی مراکز۔

۴۔ حکومت کو جب ٹیکس عائد کرنے کا حق نہ رہے گا تو وہ غیر ترقیاتی منصوبوں اور مسرفانہ اخراجات سے پرہیز کرے گی۔ حکومت کے انتظامی اخراجات بھی توجہ طلب ہیں۔ لاتعداد محکمے، وزیروں اور مشیروں کی فوج ظفر موج، ان کے الاؤنسز اور سفری اخراجات کم کرنے سے کافی بچت کی جا سکتی ہے۔ نیز سرکاری افسروں کو سرکاری اشیاء و املاک کے بے جا اور مسرفانہ استعمال پر قانونی پابندیاں عائد کرنے سے بھی اخراجات میں خاطر خواہ کمی کی جا سکتی ہے۔

۵۔ سکولوں کی عمارتوں کے بجائے مساجد اور ان کے ساتھ ملحقہ کمروں سے کام لے کر تعلیم کے اخراجات میں خاصی کمی کی جا سکتی ہے۔ اور یہی چیز اسلامی روایات و نظریات سے مطابقت رکھتی ہے۔

۶۔ ایسی سینکڑوں کارپوریشنوں کا، جو سفید ہاتھی بنی ہوئی ہیں، جائزہ لے کر کروڑوں روپے کی بچت کی جا سکتی ہے۔

۷۔ ہر سرکاری افسر کی بھرتی کے وقت اس کے املاک و جائداد کی فہرست حکومت کو بھیج دینی چاہیئے جیسا کہ حضرت عمرؓ کے وقت میں ہوتا تھا۔ اور پھر اس میں ناجائز اضافہ پر کڑی نظر رکھنی چاہیئے۔

غرض بڑھتے ہوئے اخراجات ایک بیماری ہے جس کے بیشمار اسباب ہیں۔ ان اسباب کو دور کر کے اس بیماری کا صحیح علاج سوچنا چاہیئے۔ نہ کہ اسے بہانہ بنا کر شرح زکوٰۃ میں اضافہ کے "اجتہاد" یا دوسرے ٹیکسوں کے لیے جواز کی راہ ہموار کرنی چاہیئے۔

ایک اسلامی ریاست کے اخراجات کا انحصار محض زکوٰۃ کی آمدنی پر نہیں، بلکہ اس کے اور بھی بہت سے ذرائع ہیں، مثلاً:

۱۔ سرکاری زمینوں کی فروخت، ان کا لگان اور ٹھیکے۔

۲۔ جنگلات سے حاصل ہونے والی پیداوارین، عمارتی لکڑی، ایندھن، بروزہ، کتھہ اور کئی قسم کے نیل۔

۳۔ غیر مسلموں کی زمین کا لگان یا خراج۔ (شرح کی تعیین میں حکومت آزاد ہے)

۴۔ بیرونی ممالک سے درآمد شدہ اشیاء پر محصول درآمد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۔ رِکاز۔ قدرتی خزانوں مثلاً معدنیات، تیل، گیس وغیرہ سے حاصل ہونے والی رائلٹی، لیز یا بصورتِ دیگر انتظامی اخراجات کے بعد باقی سب آمدنی۔

۶۔ اموالِ غنیمت، غیر مسلموں سے حاصل شدہ منقولہ اور غیر منقولہ جائداد۔

۷۔ لاوارث لوگوں کے اموال اور جائدادیں۔ اور

۸۔ زکوٰۃ، جو بیت المال کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور بیت المال کے دیگر ذرائع آمدو خرچ سے بالکل علیحدہ رکھا جاتا ہے۔

لہٰذا اگر اسلامی نظریہ اقتصاد کو ملحوظ رکھا جائے تو بیت المال کی آمدنی سے ہر دور میں بڑھتے ہوئے اخراجات بخوبی پورے ہو سکتے ہیں اور اس کے لئے ہم تاریخ سے شواہد پیش کر سکتے ہیں:

حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلامی مملکت عہدِ نبوی سے کئی گنا زیادہ پھیل چکی تھی۔ کئی نئے محکمے وجود میں آ چکے تھے مثلاً محکمہ مال گزاری، فوج، پولیس اور محکمہ ڈاک وغیرہ۔ اخراجات بڑھ چکے تھے، تقاضے بدل چکے تھے۔ لیکن اسی بیت المال کی آمدنی سے نظم و نسق چلتا رہا۔

مسلمانوں نے تقریباً چھ سو سال بڑی شان و شوکت سے حکومت کی۔ مملکتِ اسلامیہ متمدن ترین سلطنت شمار ہوتی تھی۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ ضروریات اور اخراجات میں لگاتار اضافہ ہو رہا تھا۔ لیکن کسی حکومت کو شرح زکوٰۃ میں اضافہ کی جرأت نہ ہوئی۔ اور اگر کسی مسلمان بادشاہ نے مسلمانوں پر کوئی نیا ٹیکس عائد کیا بھی تو اسے جواز کا درجہ کبھی عطا نہ ہوا۔ وہ ظلم و جور ہی سمجھا جاتا رہا۔

ہم نے اپنے ایک سابقہ مضمون میں آج کل کے اخراجات (سرکاری مالیات) اور آج کے دور میں بیت المال کی متوقع آمدنی کا جائزہ پیش کیا تھا، جو ترجمان الحدیث میں چھپ چکا ہے —— اس تقابل کیلئے ۷۷-۱۹۷۶ء سے اعداد و شمار حاصل کئے گئے۔ اور جہاں یہ اعداد و شمار نہ مل سکے، تو دوسرے ذرائع پر انحصار کر کے نہایت محتاط اندازہ سے جائزہ لیا گیا۔ ۷۷-۱۹۷۶ء کا مرکزی مالیاتی بجٹ تو موجود تھا، بیت المال کی مجموعی آمدنی کا بجٹ خود تیار کیا تو مسرت کی انتہا نہ رہی، جب یہ معلوم ہوا کہ بیت المال کا بجٹ موجودہ سرکاری بجٹ سے نسبتاً بہتر ثابت ہوا ہے۔ اس جائزہ کے مطابق زکوٰۃ کی آمدنی بیت المال کی مجموعی آمدنی کا ۴۲ % بنتی ہے۔ زکوٰۃ کی آمدنی کا نصف محض نادار طبقہ کے لئے مختص قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ باقی نصف قرآنِ مجید کے بیان کردہ مصارف دفاع، نظم و نسق اور دینی تعلیم کی نشر و اشاعت پر بھی خرچ کیا جا سکتا ہے۔ یہ مضمون اپریل ۸۰ء کے ترجمان میں شائع ہوا تھا جس پر راقم الحروف کو ایک ممتاز شخصیت کی طرف سے مبارکباد بھی پیش کی گئی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لہٰذا بریں بنائے بصیرت یہ کہا جاسکتا ہے اور ہماری یہ تجویز ہے کہ حکومت زکوٰۃ کا نظام پورے کا پورا نافذ کرے —— ساتھ ہی ساتھ بیت المال کے دوسرے ذرائع آمدنی کو شامل کرکے زکوٰۃ فنڈ کے بجائے بیت المال کی تشکیل کرے۔ اور ٹیکسوں کے سرمایہ دارانہ نظام کو بتدریج ختم کرکے اسلامی نظام معیشت کی صحیح مثال پیش کرے۔

آخر میں ہم موجودہ حکومت کے اسلامی نظام کی طرف پیش رفت کیلئے، اس کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں، اسے مبارکباد پیش کرتے ہیں اور یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس حکومت کو اس کے مخلصانہ عزائم میں کامیاب فرمائے۔ آمین!

بقیہ تعارف وتبصرہ کتب:

ہیں اور کسی مقام پر بھی تاریخ اور ثقاہت کا پہلو مجروح نہیں ہونے پاتا۔

کتاب کا دیباچہ ادیب شہیر مولانا ماہر القادری مرحوم نے لکھا ہے۔ یہ دیباچہ مولانا مرحوم کی صحابہ کرامؓ سے بے پناہ محبت اور عقیدت کا آئینہ دار ہے —— جس کتاب کا دیباچہ جناب ماہر القادری نے لکھا ہو، اس کی قدروقیمت کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے!

فاضل مؤلف اس گرانقدر تالیف پر بجا طور پر تحسین وستائش اور مبارکباد کے مستحق ہیں —— مکتبہ چراغ اسلام کبھی ہدیۂ تبریک پیش کیا جانا چاہیئے کہ اس نے اس کتاب کو بڑے حسین وجمیل انداز میں بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔ ہماری تمنا ہے کہ یہ کتاب ہر اجتماعی اور ذاتی لائبریری کی زینت بنے تاکہ ہمارے عوام اور بالخصوص نژادِ نو، اس کتاب کا مطالعہ کرکے اپنی زندگیوں کو اسلامی قالب میں ڈھال سکیں۔

کتاب کی ضخامت اور اس کی صوری ومعنوی خوبیوں کے پیش نظر اس کی قیمت بالکل مناسب ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ جناب ہاشمی صاحب کو ایسے اور بھی جواہر پارے ترتیب دینے کی توفیق بخشے، آمین!

(ادارہ)

اعتذار: نظام زکوٰۃ وعشر کے سلسلہ میں تجاویز پر مشتمل مولانا عبدالرحمٰن کیلانی کا طویل مضمون ایک ہی قسط میں شائع کرنا ضروری تھا۔ اس بنا پر بہت سے مضامین اور جن کتابوں کا تعارف و تبصرہ شامل اشاعت ہونے سے رہ گیا ہے ہم اس کیلئے معذرت خواہ ہیں۔ (ادارہ)

© rasailojaraid.com